جریمہ اور جنایت

محمد میاں صدیقی

جریمہ ـــ لغوی معنی

جَرَمَ یَجْرِمُ جُرْمًا ۔ کے معنی ہیں گناہ کرنے کے، حد سے بڑھنے کے، جرم کے معنی کاٹنے کے بھی ہیں۔ گناہ اور خطاء کے بھی ہیں، حدیث میں ہے: اعظم المسلمین جرما من سأل عن شئ لم یحرم علیہ فحرم من اجل مسألتہ ۔ مسلمانوں میں سب سے بڑا گنہ گار وہ مسلمان ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو پہلے سے حرام نہیں تھی، مگر اس کے سوال کے سبب وہ حرام ہو گئی۔ اس حدیث میں جرم کے معنی گناہ کے ہیں۔ قرآن حکیم میں بھی انہی معنی میں استعمال ہوا ہے: وکذٰلک نجزی المجرمین ۔ اور ہم گناہ کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

اصطلاحی معنی

فقہاء نے جرم اور جریمہ کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے کہ: ہر اس فعلِ حرام کا ارتکاب کرنا جس کے کرنے پر سزا واجب ہوتی ہو۔ یا کسی ایسے فعل کو ترک کرنا، جس کے ترک کرنے پر سزا دی جاتی ہو۔

اسلامی شریعت کی رُو سے جرم کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں تو فوری طور پر سزا

دی جاتی ہے۔ اور آخرت میں بھی اس کے لئے سزا ہے۔

جرمیہ کی جو تعریف کی گئی، شریعت کی اصطلاح میں اِثم اور خطیئہ بھی اس میں شامل ہے۔ اور جرم یا جرمیہ پر اثم اور خطیئہ کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ جرمیہ کی جامع تعریف یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی نافرمانی کرنا، خواہ اس نافرمانی کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں مقرر ہو یا اس کی سزا صرف آخرت میں ہو اور دنیا میں اس کی کوئی سزا نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں جرمیہ، معنی و مفہوم کے اعتبار سے اِثم اور خطیئہ کے مترادف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے ایک سزا مقرر کی ہے جو اس کے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر یہ سزا دنیوی ہے تو دنیوی حکام مجرم پر اس کا نفاذ کریں گے، اور اگر اس جرم کی سزا آخرت میں مقرر ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ جو چاہے اس کے ساتھ سلوک کرے۔

مختصر یہ کہ جرمیہ، اس فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا نام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو اور اس کے مرتکب پر دنیا میں حد یا تعزیر کی سزا مقرر ہو۔

جنایت کے معنی

لغت کی رو سے جنایت کے معنی تَعَدِّی یعنی زیادتی کے ہیں۔ کسی معاملے میں حد سے گزرنا، تجاوز کرنا، تعدی کہلاتا ہے۔ فقہاء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ جنایت کے شرعی معنی کیا ہیں۔ اور کیا شریعت کی زبان میں جرمیہ اور جنایت ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں یا ان کے مدلول اور معانی میں فرق ہے۔؟ اور جنایت، جرمیہ سے خاص ہے۔ بایں معنی کہ جنایت اس زیادتی کو کہا جائے گا جو نفس یعنی کسی کی جان میں واقع ہو یا اس کے اعضاء

میں۔ پہلی زیادتی کو "قتل" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور دوسری کو قطع یا جرح سے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ: جریمہ، اور جنایت کے ایک ہی معنی ہیں۔ ان کے مفہوم و مدلول میں کوئی فرق نہیں۔

ان فقہاء میں علامہ ماوردی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ ابن فرحون کہتے ہیں کہ: وہ تعدّی جو حد یا قصاص واجب کرنے والی ہو جنایت کہلاتی ہے۔ جنایت کی پانچ صورتیں ہوں گی: جنایۃ علی النفس، جنایۃ علی العقل، جنایۃ علی المال، جنایۃ علی النسب اور جنایۃ علی العرض۔

حطاب، جنایت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ جنایت ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے والے کو یا دوسرے کو اس کا نقصان فوری طور پر پہنچے۔ یا کچھ وقت گزرنے کے بعد۔

التاج اور الاکلیل میں ہے کہ: وہ جنایات جن کے ارتکاب سے سزائیں واجب ہوتی ہیں سات ہیں: ۱. بغاوت، ۲. ارتداد، ۳. زنا، ۴. تہمتِ زنا، ۵. چوری ۶. ڈاکہ و رہزنی، شربِ خمر

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ "جنایت"، لفظ جریمہ کا ہم معنی ہے۔ اور دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

لیکن جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جریمہ اور جنایت کے معنی و مفہوم میں فرق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: جریمہ وہ ہے جو حد یا تعزیر کو واجب کرنے والا ہو اور جنایت اس جرم کو کہیں گے جس کے ارتکاب سے قصاص واجب ہوتا ہو۔ ان دونوں میں باہمی فرق کی وجہ یہ ہے کہ قصاص واجب ہونے کی صورت میں (مدعی کو) معافی، یا قصاص میں نرمی کا اختیار ہے۔ عدالت کے سامنے مقدمہ پیش ہونے سے پہلے بھی، اور پیش ہونے کے بعد بھی۔ لیکن حدود جب حاکم کے سامنے (یا عدالت میں) پیش ہو جائیں تو ان میں معافی یا نرمی کی کوئی صورت باقی

نہیں رہتی۔ قصاص میں قاضی (منصف) کو اختیار ہے کہ وہ اس صورت میں بھی ثبوتِ جرم کا فیصلہ کر دے جبکہ ایک گونگا شخص اشارہ سے اپنے قاتل ہونے کا اقرار کرے یا لکھ کر اقرار کرے کہ میں نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے یا اس کا فلاں حصۂ جسم کاٹ ڈالا ہے، لیکن حدود اس قسم کے اقرار و ثبوت سے ثابت نہیں ہوتیں اور نہ ان پر سزا دی جا سکتی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر جرمیہ اور جنایت کے درمیان فرق ثابت و واضح ہو گیا۔

جرم کے عمومی ارکان

تعریفِ جرم کے سلسلے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ: جرائم حقیقت میں ان شرعی ممنوعات کا نام ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو اور ان کے ارتکاب پر کوئی حد یا تعزیر مقرر کی ہو۔ ممنوعات کے معنی یہ ہیں کہ:

۱۔ کسی ایسے عمل کو کرنا جس سے روکا گیا ہو۔ ۲۔ کسی ایسے عمل سے باز رہنا اور اس کو نہ کرنا جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ ان ممنوعات کو ممنوعاتِ شرعیہ اس لئے کہا گیا ہے کہ نصوصِ شریعت سے ان کا ممنوع ہونا ثابت ہے، اور ان پر سزا بھی مقرر ہے۔ کیونکہ بذاتِ خود کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا جرم نہیں ہے۔

اوامر اور نواہی کیوں کہ شرعی ذمہ داریاں ہیں اس لئے ان کا مخاطب ہر وہ شخص ہو گا جو عاقل و بالغ ہو اور اس ذمہ داری کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کیوں کہ کسی کو کسی حکم کا مکلف اور پابند بنانا بھی خطاب ہے۔ اور جس میں نہ عقل و فہم ہو اور نہ اس خطاب کو سمجھنے کی صلاحیت ہو اس کو مخاطب بنانا ممکن نہیں ہے، جیسے حیوانات، اشجار اور جمادات کہ انہیں مخاطب نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح جو شخص نفسِ خطاب کو تو سمجھ سکے مگر اس کی

تفصیلات سمجھنے سے قاصر ہو۔ اس کو بھی مخاطب نہیں بنایا جا سکتا جیسے مجنون، فاترالعقل اور بچے۔ یہ بھی حیوانات ونباتات اور جمادات کی طرح ہیں۔ کیونکہ کسی کو کسی امر کا پابند، ذمہ دار اور مکلف بنانے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اصل خطاب کو سمجھتا ہو وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس کی بنیادی تفصیلات سے آگاہ ہو۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات معلوم وثابت ہوئی کہ جرم کی عمومی لحاظ سے تین بنیادیں ہیں :۔

الف ۔ جرم سے باز رکھنے والا اور اس کے ارتکاب پر سزا بیان کرنے والا کوئی نص (واضح حکم) موجود ہو، جسے آج کی قانونی اصطلاح میں جرم کی قانونی بنیاد کہا جاتا ہے

ب ۔ کسی ایسے عمل کا ارتکاب جس کے کرنے یا نہ کرنے سے جرم بنتا ہو۔ اسے آج کی قانونی اصطلاح میں جرم کی مادی بنیاد کہا جاتا ہے۔

ج ۔ مجرم مکلف ہو۔ اس سے اس کے جرم کی باز پرس ہو سکے۔ اس پر قانون کا اجراء ہوتا ہو، اس شق کو جرم کی تادیبی بنیاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ ہیں جرم کے تین ارکانِ عامہ (یا عمومی ارکان) ان تینوں کا ہر جرم میں ہونا ضروری ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر جرم کی علیحدہ علیحدہ مخصوص بنیادوں کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اس جرم پر سزا دینا ممکن ہو سکے۔ جیسے جرم سرقہ (چوری کے جرم) میں کسی چیز کو چھپا کر لینے کا عمل، یا جرم زنا میں وطی (صحبت) کا عمل اور اس کے علاوہ دوسری مخصوص بنیادیں جن پر جرائم قائم ہوتے ہیں۔

جرم کی عمومی بنیادوں اور جرم کی خصوصی بنیادوں میں فرق یہ ہے کہ عمومی بنیادیں ہر جرم میں یکساں ہوتی ہیں، جبکہ جرم کی خصوصی بنیادیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جدا جدا

اور مختلف ہوتی ہیں۔ فقہائے متقدمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے ہر جرم پر بحث کے دوران جرم کی عمومی اور خصوصی بنیادوں کو یکجا کر کے بیان کر دیا ہے۔ لیکن جب سے مغربی قوانین کے ساتھ تقابلی مطالعہ کا دور شروع ہوا تو ماہرین فقہ اسلامی نے ان دونوں بنیادوں کو الگ الگ کر کے بیان کیا تاکہ عمومی اور خصوصی بنیادوں کے درمیان جو فرق ہے وہ مبہم نہ رہے۔

تقسیم جرائم

فقہ اسلامی کی رو سے جرائم کو حسب ذیل تفصیل کے ساتھ تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ شریعت نے کچھ جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی ہیں اور کچھ جرائم ایسے ہیں جن کے لئے شریعت نے کوئی سزا مقرر نہیں کی جو سزائیں مقرر کی ہیں، وہ چار قسموں میں منحصر ہیں:

حدود، قصاص، دیت، تعزیر۔

۲۔ جب جرم وقوع پذیر ہوتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جرم جس میں جرم کا ارتکاب کرنے والا (مجرم) ملوث ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ جس میں ایسا نہیں ہوتا۔

۳۔ جب جرم واقع ہو جائے یعنی اس کا رکن مادی مکمل ہو جائے تو پھر جرائم کی حسب ذیل تقسیم ممکن ہو جاتی ہے۔ جرائم سلبیہ، جرائم ایجابیہ، جرائم بسیطہ، جرائم اعتیاد، جرائم وقتیہ، جرائم غیر وقتیہ یعنی مستمرہ۔

۴۔ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ جرم کی ماہیت و نوعیت کیا ہے۔ اس کے ارتکاب کے اسباب کیا ہیں؟ ایسے جرائم کو بایں طور تقسیم کیا جا سکتا ہے: وہ جرائم جو معاشرے اور جماعت کے خلاف ہوں، وہ جرائم جو فرد کے خلاف ہوں یا: عادی جرائم، سیاسی جرائم

۵۔ جرائم کے معنوی رکن کو پیش نظر رکھتے ہوئے جرائم کی دو قسمیں ہیں: جرائم عمد، جرائم غیر عمد۔

تقسیمِ اوّل

جرائم حدود : یہ وہ جرائم ہیں جن کی سزا شریعت نے مقرر و معین کر دی ہے کسی فرد معاشرہ یا عدالت کو ان میں نہ کمی کا اختیار ہے نہ زیادتی کا اور نہ وہ ساقط کی جا سکتی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ صرف حد قذف کو مستثنیٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) قاذف (تہمت لگانے والے) کو معاف کر دے تو قذف کی حد ساقط ہو سکتی ہے۔

جرائمِ قصاص و دیت : یہ وہ جرائم ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے شریعت نے قصاص، یا دیت، یا دونوں سزائیں مقرر کی ہیں۔ ان میں کمی زیادتی کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ مقتول کے ورثاء کو یہ اختیار ہے کہ وہ کچھ مال لے کر، یا بغیر کوئی مال لئے قاتل کو مطلقاً معاف کر دیں۔

جرمیہ اور عقوبت کی مشروعیۃ کے معنی : جرم اور عقوبت کی مشروعیت کے معنی یہ ہیں کہ جن جرائم کی سزائیں شریعت نے از خود مقرر و معین کر دی ہیں۔ وہ جرائم جن پر تمام فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر حدود لازم ہوتی ہیں، مندرجہ ذیل ہیں : ۱۔ زنا، ۲۔ تہمتِ زنا ۳۔ شربِ خمر، ۴۔ چوری، ۵۔ ڈاکہ زنی، ۶۔ ارتداد (اسلام سے پھر جانا)۔ ۷۔ بغاوت

قصاص اور دیت کے جرائم بایں معنی مشروع ہیں کہ شریعت کی طرف سے ان کا تعین ہے اور وہ قتل (نفسِ انسانی) ہے جس کی فقہاء نے مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔

اور وہ جنایت جو نفس سے کم میں ہو۔ عمداً ہو یا خطاءً اس میں زخمی کرنے، مارنے اور زیادتی کرنے کے وہ تمام جرائم داخل ہوں گے جو اعدام نفس (نفس انسانی کو ختم کرنا) پر منتج نہیں ہوتے۔ اس قسم کو بعض فقہاء "باب الجنایات" کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ اور بعض فقہاء اسے "باب الدماء" کے تحت رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

کیا قصاص و دیت، حدود میں داخل ہیں۔ ؟

کیا قصاص و دیت حدود میں داخل ہیں، یا ان کو حدود سے خارج مانا جائے۔اس بارے میں فقہاء کے مسالک اور آراء مختلف رہیں۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قصاص اور دیت، حدود میں داخل نہیں ہیں اس لئے کہ قصاص اور دیت کے موجبات (اسباب) جنایات میں سے ہیں، حدود کے جرائم میں داخل نہیں ہیں۔ لہذا قصاص کو حدود میں شمار نہیں کیا جائے گا۔جمہور فقہاء کی راجح رائے یہی ہے۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں حد اس معین اور مقرر سزا کو کہتے ہیں جو حق اللہ کے طور پر دی جاتی ہے، یعنی حد اللہ کا حق ہے۔اور قصاص بندہ کا حق ہے، تو جس طرح تعزیر کو 'حد' نہیں کہا جا سکتا اسی طرح قصاص اور دیت کو بھی حد نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ تعزیر کو شریعت متعین نہیں کرتی، اس کا تعین حکومت اور قاضی (حاکم مجاز۔ منصف) پر منحصر ہے۔

اور جرائم حدود میں دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے:

اوّل: یہ کہ یہ جرم حق اللہ میں زیادتی ہو۔ (مجرم نے اللہ کا حق پامال کیا ہو)۔

دوسرے: یہ کہ یہ سزا خود شریعت نے معین و مقرر کی ہو اس میں حکومت یا حاکم مجاز کے لئے کسی قسم کی ترمیم کی کوئی رعایت اور گنجائش نہ چھوڑی ہو۔

دوسری رائے: قصاص اور دیت کے بارے میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قصاص بھی حدود کی قبیل سے ہے، اور حدود میں داخل ہے۔ جن فقہاء کی یہ رائے ہے وہ لوگ حد کی ایسی عام تعریف کرتے ہیں جس میں قصاص اور دیات کے جرائم اسی طرح شامل ہو جاتے ہیں جس طرح زنا، سرقہ اور شرب خمر کے جرائم شامل ہیں۔

یہ لوگ حد کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ: حد وہ سزا ہے جس کو شریعت نے مقرر و معین

کیا ہو۔ برابر ہے کہ وہ سزا کسی ایسے فعل کی ہو جو اللہ کا حق ہو، یا بندہ کا حق ہو۔ قصاص اگرچہ بندہ کا حق ہے اس لئے کہ بندہ کو سزا (اپنا حق) معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن قتل کے نتیجہ میں قصاص کی جو سزا ہے وہ تو شریعت ہی کی طرف سے مقرر و معیّن ہے۔ تو یہ اس بناء پہ "حد" شمار کی جائے گی کہ اس کو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ (تعزیر کی طرح حکومت یا حاکم مجاز کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ نہ حکومت کو اس میں ترمیم اور معافی کا اختیار ہے)۔

اس رائے کی بنیاد پہ جرائم حدود کی دو قسمیں ہو جائیں گی۔

۱۔ ایک وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش موجود ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ جرائم جن کی سزاؤں میں معافی یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، وہ ہیں: سرقہ، رہزنی، زنا، تہمت زنا، ارتداد اور بغاوت۔

اور جن جرائم کی سزاؤں میں معافی کی گنجائش ہے، وہ ہیں: قتل کرنا، کسی انسان کے اعضاء کو کاٹنا، زخمی کرنا۔

حد کی پہلی تعریف میں حدِّ اجتماعی کو ملحوظ رکھا گیا ہے، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حد ایسی سزا ہے جو شریعت نے مقرر کی ہے۔

اور دوسری تعریف میں صرف ایک چیز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ یہ کہ وہ شریعت نے مقرر کی ہے قطع نظر اس سے کہ اس میں معافی کی گنجائش ہے یا نہیں۔؟

حدود کی پہلی تعریف فقہاء میں زیادہ مشہور ہے اور جمہور فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لہٰذا اس تعریف کی بنیاد پہ قصاص اور دیت، حدود میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان تفصیلات کی رُو سے اور اس رائے کو اختیار کرنے کے بعد کہ قصاص و دیت، حدود میں شامل نہیں ہیں، یہ بات ثابت ہوئی کہ جرائم کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جن کے ارتکاب پر حد ہے۔
۲۔ جن کے ارتکاب پر قصاص یا دیت ہے۔؟
۳۔ جن کے ارتکاب پر تعزیر ہے۔

شریعت نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کیں، اور بعض کی نہیں۔؟

شریعت نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کردی ہیں، اور ان کی معافی، یا ان میں ترمیم و تنسیخ کے حق سے حکومت اور عدالت کو محروم کر دیا ہے۔ اور بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزائیں از خود شریعت نے مقرر نہیں کیں، ان کو حکومت اور عدالت کے حوالہ کر دیا اور حاکم مجاز کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے صرف ان بنیادی جرائم کی سزاؤں کا تعین کر دیا ہے جو نسل انسانی کو شر اور فساد سے بچانے کے لئے ضروری ہیں، جن کا تعلق ہر دور اور ہر حالات سے ہے اور وہ ہر قسم کے معاشرے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف کو برقرار رکھنا، انسان کی جان، مال اور عزت و آبرو کا احترام کرنا، دین کی حفاظت کرنا، معاشرہ کو فساد اور افراتفری سے بچانا۔ ان بنیادی جرائم کی سزائیں خود شریعت نے مقرر کی ہیں۔ اس کے علاوہ جو جرائم ہیں ان کا احاطہ اور شمار ممکن نہیں، ہر روز نئے نئے حوادث پیش آتے ہیں، نئے نئے فتنے ابھرتے ہیں اور لوگ طرح طرح کے جرائم میں ملوث ہوتے ہیں۔ اس قسم کے فروعی اور نوع بنوع پیش آنے والے جرائم کی سزاؤں کو حکومتِ وقت، اور عدالت کے حوالہ کر دیا، کہ وہ ملکی اور معاشرتی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جس قسم کی سزا مناسب سمجھیں، مجرم کو دے دیں۔

جو سزائیں حکومت اور عدالت کے دائرہ اختیار میں رکھیں، ان کے لئے اصول کی نشاندہی کردی تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو اور لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

۱۔ کسی جرم کی سزا تجویز کرنے میں مسلمانوں کا اور عام لوگوں کا مفاد ملحوظ ہو۔ اور شریعت کے جو تقاضے ہیں ان کو نظر انداز نہ کیا گیا ہو بلکہ پورے طور پر ان کی رعایت ہو۔

۲۔ "لاضرر ولا ضرار" کا کلیہ پیش نظر ہو۔ یعنی نہ دوسرے کو اس کے جرم سے زیادہ نقصان اور تکلیف دی جائے۔ اور نہ خود کو کسی نقصان میں مبتلا کیا جائے۔

۳۔ فیصلہ میں عدل و انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔ میانہ روی سے کام لیا جائے۔ نہ سختی برتی جائے اور نہ حد سے زیادہ مہلت اور سستی ہو۔

۴۔ فیصلہ میں لوگوں (مدعی، مدعی علیہ، یا جرم میں ملوث دیگر لوگوں) کے درمیان برابری کا سلوک کیا جائے۔ کسی کی حیثیت فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو، امیر و غریب اور حاکم و محکوم کا فرق نہ کیا جائے۔

جرم اور جنایت کی مذکورہ بالا بحث، شیخ احمد الحصری استاذ فقہ و قانون الازہر قاہرہ کی کتاب القصاص، الدیات، العصیان المسلح فی الفقہ الاسلامی" کے پہلے باب (ص: ۱۱ - ۲۶) کا خلاصہ ہے۔ شیخ احمد الحصری نے تمام مواد فقہ اسلامی کی بنیادی کتب مثلاً: بدائع الصنائع، فتح القدیر المدونۃ الکبریٰ، المغنی، الاقناع، اور الاختیار سے اخذ کیا ہے۔ (م۔م۔ص) ۔